مولانا حافظ عبدالغفور جہلمیؒ

○.... دارالافتاء

قرأتِ فاتحہ خلف الامام

محترم اقبال حسین پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی کراچی سے لکھتے ہیں:

"بخدمت محترم جناب رئیس التحریر حرمین۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! "حرمین" کے شمارہ اگست ۹۴ء میں شائع شدہ مضمون "نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت" زیرِ مطالعہ آیا' اس کے بارے میں ایک اشکال ہے جو ذیل میں درج کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اپنے موقر رسالہ ہی کے صفحات پر اس اشکال کو رفع کر دیں گے' شکرگزار ہوں گا۔

قرآنِ پاک کی سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴ میں ہے:

" و اذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہٗ و انصتوا لعلکم ترحمون۔"

اب جبکہ امام نماز باجماعت میں سورۃ الحمد پڑھ رہا ہو تو اس حکمِ ربانی کی تعمیل میں مقتدی امام کی قرأت کو غور سے سنے گا۔ اگر وہ بھی سورۃ الحمد امام کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے تو وہ قرآن کے مذکورہ بالا حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ برائے مہربانی اس اشکال کی وضاحت فرمادیں' جزاکم اللہ!"

الجواب:

محترم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ! والدِ بزرگوار نے اپنی زندگی میں ایک انتہائی مفید مقالہ تحریر کیا تھا' جس میں مذکورہ بالا سوال پر سیر حاصل بحث کرکے صحیح مسئلہ واضح کیا تھا۔ لہٰذا از سرِ نو جواب لکھنے کی بجائے یہی مقالہ ہم آئندہ صفحات میں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ آپ کی تشفی ہو جائے گی۔ والسلام....!

(محمد مدنی رئیس التحریر حرمین)

.................○.................

مذکورہ بالا آیت "قرأۃ خلف الامام" کی نفی میں سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو' شاید تم پر رحم کیا جائے۔"

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں مقتدی اور نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت سے قبل کی آیت میں کفار کا ایک اعتراض ذکر کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" و اذا لم تأتہم بٰایۃ قالوا لو لا اجتبیتھا قل انّما اتّبع ما یوحٰی الیّ من رّبّی ھٰذا بصائر من رّبّکم و ھدی وّ رحمۃ لّقوم یؤمنون"۔(الاعراف: ۲۰۳)

"اور جب آپؐ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی؟ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ یہ دلائل ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں"۔

اس آیت کے مفہوم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اصل خطاب کفار سے ہے۔ پس جو لوگ آیت " **و اذا قرئ القراٰن - الاٰیۃ**" کو مقتدی کے لئے' پھر مقتدی کو منع قرأۃ کے لئے پیش کرتے ہیں' ان کے لئے لازم ہے کہ یہاں چار باتیں ثابت کریں:

۱۔ یہ آیت مقتدی کے بارے میں ہے۔

۲۔ اس آیت میں مقتدی کو منع قرأۃ کا حکم ہے۔

۳۔ اس آیت کو مخصص کوئی حدیث نہیں ہے۔

۴۔ استماع اور انصات آہستہ پڑھنے کے منافی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید نے قرآن سننے کے جو آداب ذکر کئے ہیں اور قرآن سننے کے وقت نیک لوگوں کی جو حالت بیان کی ہے کہ وہ کس طرح سنتے ہیں اور کیا کہتے ہیں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت بعض کلمات کا اس طرح کہنا' جس سے پڑھنے والے کو تشویش نہ ہو' یہ انصاف اور استماع مذکور کے منافی نہیں (تفصیل آگے آرہی ہے) علاوہ ازیں یہ آیت' جس

میں انصات کا لفظ ہے' مکی ہے اور نماز میں کلام کرنا' مدینہ میں منع ہوا۔ کیونکہ جس آیت سے امام کے پیچھے کلام کرنا منع ہوا' یہ آیت ہے:

" و قوموا للّٰہ قانتین ۔" (البقرۃ:۲۳۸)

"اللہ کے لئے خاموش کھڑے رہو"۔

اس آیت میں نماز ہی کا ذکر ہے۔ یعنی خواہ اکیلے نماز پڑھو یا باجماعت' امام ہو یا مقتدی!.... اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ پس جو آیت امام کے پیچھے کلام کو نہیں روکتی وہ آہستہ پڑھنے میں کیسے مانع ہوئی؟

نیز یہ اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں پر سورۃ رحمٰن پڑھی تو جنوں نے ہر بار جب یہ آیت سنی:

" فبایّ الآءِ ربّکما تکذّبٰن ۔" (سورۃ الرحمٰن)

"اے جنوں اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟" تو جنوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ہربار یہ آیت سن کر جواب دیا:

" لا بشئی من نّعمک ربّنا نکذّب و لک الحمد و الشّکر۔" (حاکم و ترمذی)

"اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے"..... چنانچہ آپؐ نے ان کی تحسین فرمائی..... پھر یہ بھی دیکھئے کہ کیا وہ اکابر صحابہ کرامؓ جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے' وہ اس آیت سے واقف نہ تھے؟

مذکورہ بالا آیت کو ایک اور طریقہ سے بھی بطورِ استدلال پیش کیا جاتا ہے' یعنی اس آیت کو مسئلہ خلف الامام میں اس طریق سے لیا جاتا ہے کہ مقتدی اس امر کا مامور ہے' امام کے پیچھے خاموش رہے اور کچھ نہ پڑھے۔ حالانکہ اس استدلال میں کمزوری ہے' بلکہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ قرآنِ مجید کے دوسرے مقامات میں جو قرآن پڑھتے وقت اہلِ علم کی حالت کا ذکر کیا گیا ہے' وہ مذکورہ بالا استدلال کے بالکل خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

" انّ الّذین اوتوا العلم من قبلہٖ اذا یتلٰی علیھم یخرّون للاذقان سجّدا " ○ **و یقولون سبحان ربّنا ان کان وعد ربّنا لمفعولا ۔"** (بنی اسرائیل-۱۰۷-۱۰۸)

"جو لوگ اس سے پہلے علم دیئے گئے' جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے' یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو چکا ہے"۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اگر سامعین اس قسم کے کلمات زبان سے کہہ دیں تو جائز ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیتِ اعراف میں انصات کا معنیٰ بالکلیہ خاموشی نہیں' بلکہ مذکورہ مطلب ہے:

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"و اذا سمعوا ما انزل الی الرّسول ترٰی اعینھم تفیض من الدّمع ممّا عرفوا من الحقّ یقولون ربّنا اٰمنّا فاکتبنا مع الشّٰھدین ○ و ما لنا لا نؤمن باللّٰہ و ما جاء نا من الحقّ و نطمع ان یّدخلنا ربّنا مع القوم الصّٰلحین" (المائدۃ: ۸۳-۸۴)

"جب یہ لوگ وہ (قرآن) سنتے ہیں جو رسول ؐ کی طرف اتارا گیا' حق کو پہچان کر زار زار روتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں' اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے' ہم کو گواہوں میں اندراج فرما! اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو ہم کو پہنچا؟ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نیکوں میں داخل کرے گا"۔

اس آیت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سنتے وقت بالکل خاموشی لازمی امر نہیں' بلکہ بعض مناسب اور جائز کلمات کہنا ثابت ہیں' اور جو آیتِ اعراف کے منافی نہیں!

تیسری جگہ ارشاد فرمایا:

"الّذین اٰتینٰھم الکتٰب من قبلہٖ ھم بہٖ یؤمنون ○ و اذا یتلٰی علیھم قالوا اٰمنّا بہٖ انّہ الحقّ من ربّنا انّا کنّا من قبلہٖ مسلمین" (القصص: ۵۲-۵۳)

"وہ لوگ جنہیں ہم نے اس سے قبل کتاب دی ہے' وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں' ہم اس کے ساتھ ایمان لائے۔ بلاشبہ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے' ہم اس سے قبل ہی مسلمان تھے"۔

یہ آیت بھی صاف بتا رہی ہے کہ قرآن سنتے وقت بعض جائز کلمات کا کہنا قرآن کے استماع اور خاموشی کے منافی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت سے مسئلہ خلف الامام میں مقتدی کے لئے قطعاً" نہ پڑھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ امام کے پیچھے اس طرح پڑھنا کہ امام کو تشویش پیدا نہ ہو' منع نہیں ہے۔ پھر سکتات میں پڑھنا کسی طرح بھی منع نہیں۔ کیونکہ استماع اور انصات اسی شے کے لئے ہو گا جو قابلِ سماع ہو۔ پس سکتات کی صورت کو یہ آیت ہرگز شامل نہ ہو گی اور

غیر سکتات میں قراءۃ مشوشہ (تشویش 'یعنی خلط میں ڈالنے والی) ممنوع ہو گی۔ اور حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ کے سوا اور جگہ سے قرآن پڑھنا منع ہے۔ قرآن کی اس آیت سے قرآن پڑھتے وقت قرآن پڑھنے کی ممانعت مقتدی کے لئے ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ جیسے ابو داؤد شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

" **فلا تقرء وا بشئی اذا جہرت الاّ باُمّ القراٰن** "(مشکوٰۃ شریف ص ۸۱)

"(آپؐ نے فرمایا) جب میں جہر قراۃ پڑھ رہا ہوں تو اس وقت سورہ فاتحہ کے بغیر کچھ نہ پڑھا کرو"۔

معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنی بہرحال ضروری ہے۔

مذکورہ آیت:

" **و اذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہٗ و انصتوا لعلّکم ترحمون** "

کے سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے' اور وہ یہ کہ قرآنِ مجید کے سیاق و سباق کو دیکھنا چاہئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو جھگڑا ختم ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت کے بارے ہم عرض کر چکے کہ اس میں اصل خطاب کفار سے ہے' جبکہ زیرِ نظر آیت میں فرمایا:

"جب قرآن پڑھا جائے تو کان رکھ کر سنو اور چپ رہو"۔

اس سے یہ مغالطہ پڑ سکتا تھا کہ شاید اس کا یہ مطلب ہو کہ آہستہ بھی نہ پڑھا جائے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی دوسری (یعنی پہلی آیت کے بالکل متصل) آیت میں فرمایا:

" **و اذکر ربّک فی نفسک تضرّعا و خیفۃ وّ دون الجہر من القول** "(الاعراف:۲۰۵)

"اور اپنے رب کا ذکر آہستہ' ڈر کر عاجزی کے ساتھ کر' جہر کے بغیر"۔

(یعنی آہستہ پڑھا جا سکتا ہے) نہ کہ زبان سے بھی اونچی آواز نکالی جائے' جس سے دوسروں کی قرأت میں تشویش اور اختلاط پیدا ہو۔ اسی لئے "**دون الجہر من القول**" کی قید ساتھ لگا دی تاکہ اونچا پڑھنے سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

پھر آیت کے اختتام پر فرمایا:

" **و لا تکن مّن الغافلین** "(الاعراف:۲۰۵)

"غافلوں میں سے نہ ہو"

(یعنی جو شخص کچھ نہیں پڑھتا' بالکل صمّ بکم' بہرہ گونگا ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے' اسی کو غافل کہا گیا

ہے)

احادیث نے بھی بتا دیا کہ فاتحہ پڑھنی ضروری اور لازمی ہے۔ لہٰذا چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی!

اسی مذکورہ آیت:

" و اذ کر رّبک فی نفسک تضرّعا و خیفۃً وّ دون الجھر من القول - الأیۃ"۔

"اپنے رب کو آہستہ یاد کر' عاجزی سے اور ڈر کر' نہ کہ اونچا"۔

اس کے متعلق امام ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ:

" و قد زعم ابن جریر و قبلہ عبدالرّحمان بن زید بن اسلم انّ المراد بھا امر السّامع للقران فی حال استماعہٖ بالذّ کر۔" (ابنِ کثیر ص ۲۸۱ ج ۲)

"ابنِ جریر اور اس سے پہلے عبد الرحمان بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سن رہا ہو' اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرتا رہے"۔

اس آیت سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ جب قرأۃ نماز کا رکن ہے' اور قرآنِ مجید نے قرآن سننے کے وقت اللہ کے ذکر کا حکم دیا ہے' تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سننا ساتھ پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔

تفسیر نیشاپوری والے نے لکھا ہے کہ "انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آہستہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں۔" (ص ۱۰۳ جز نمبر ۹ بر حاشیہ ابنِ جریر)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

" و قد اشار زید بن اسلم و ھو احد علماء التّابعین بالتّفسیر الیٰ معنیٰ ما ذ کرنا۔" (ص ۸۳)

"زید بن اسلم مفسر نے' جو تابعینؒ میں سے علمِ تفسیر کے عالم ہیں' اسی طرف اشارہ کیا ہے (کہ امام کے پیچھے آہستہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں۔ اور قرآن کی آیت مذکورہ بالا میں مقتدی کو ذکر کرنے کی اجازت ہے"۔

نیز امام بیہقی فرماتے ہیں:

" و الصّحیح عن عبدالعزیز بن محمّد عن زید بن اسلم فی ھٰذہ الأیۃ قال الّذی یکون خلف الامام قال اللّٰہ و اذ کر رّبک فی نفسک۔" (کتاب القراۃ ص ۹۲)

"عبدالعزیز بن محمد' زید بن اسلم سے جو روایت کرتے ہیں' اس میں سے صحیح روایت یہ ہے کہ جو امام کے پیچھے ہو' اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے رب کا ذکر آہستہ کرے"۔

امام ابنِ جریرؒ فرماتے ہیں:

" لا تستکبر ایھا السّامع المنصت للقراٰن عن عبادۃ ربّک و اذ کرہ اذا قرء القراٰن تضرّعا و خیفۃً دون الجھر من القول۔" (کتاب القرأۃ ص ۱۱۳' جلد ۹)

"اے قرآن سننے والے اور اس کے لئے خاموشی اختیار کرنے والے' اپنے رب کی عبادت کر' تکبر نہ کر' بلکہ جب قرآن پڑھا جائے' تو اس کا ذکر عاجزی اور ڈر سے اور آہستہ کر"۔

ان معتبر تفاسیر کے حوالہ جات اور مفسرین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس وقت آہستہ آہستہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور آہستہ پڑھ لینا استماع اور انصات کے منافی نہیں' بلکہ زاید بریں یہ چیز بھی ثابت ہوئی کہ جو شخص قرأتِ قرآن کے وقت اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ نہیں کرتا اور بالکل جیسے منہ پر مہر لگی ہوئی ہے' چپ چاپ کھڑا رہتا ہے' وہ متکبر ہے اور دوسروں کو تشنیع کرنے کی بجائے خود جہنمی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" و امّا الّذین استنکفوا واستکبروا فیعذّبھم عذابا الیماً وّ لا یجدون لھم مّن دون اللہ ولیّاً وّ لا نصیرا۔" (النّساء: ۱۷۳-۱۷۴)

"جن لوگوں نے اللہ کی عبادت سے انکار کیا اور تکبر کیا تو ان کو سخت عذاب دے گا۔ اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار اور ولی نہ ہو گا' اور یہ انجام متکبرین کا ہے"۔

مذکورہ آیت:

" و اذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہٗ و انصتوا۔"

کا ایک اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے اور وہ جواب بھی بہت احسن ہے۔ ملاحظہ فرمائیں!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

" و قال الّذین کفروا لا تسمعوا لھٰذا القراٰن و الغوا فیہ لعلّکم تغلبون۔" (حٰمٓ السّجدۃ: ۲۶)

"کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور و غل ڈالو تاکہ تم غالب ہو جاؤ"۔

اور ایک جگہ فرمایا:

چاہئے تو یہ کہ بیت اللہ میں آکر اللہ کو یاد کیا جائے' کماحقہٗ نماز پڑھی جائے' لیکن اس کے برعکس:

" و ما کان صلاتهم عند البیت الاّ مکاءً و تصدیۃ "۔(الانفال:۳۵)

"ان کافروں کی نماز یہ ہوتی ہے کہ جب وہ بیت اللہ میں آتے ہیں تو تالیاں پیٹنے اور سیٹیاں بجانے لگ جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس برے فعل کی تردید فرمائی کہ:

"تم یہاں آکر شوروغل (مچانا) شروع کردیتے ہو' یہ اچھا کام نہیں ہے۔ بلکہ چاہئے تو یہ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور شور نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر آہستہ آہستہ کرو"۔

اب ذرا ان دونوں آیتوں کا تقابل کیجئے!

کافروں نے کہا:

" لا تسمعوا لھٰذا القراٰن والغوا فیہ لعلّکم تغلبون "۔

(کافروں کے قول کا ترجمہ) "تم اس قرآن کو نہ سنو' (کیوں؟)

تاکہ تم غالب آجاؤ....."

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

" و اذا قریٔ القراٰن فلستمعوا لہٗ و انصتوا لعلّکم ترحمون .... "

"جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو (کیوں؟) تاکہ تم رحم کئے جاؤ"۔

" استمعوا لہٗ و انصتوا " " لا تسمعوا و الغوا فیہ " کے جواب میں ہے اور " لعلّکم تغلبون " کے مقابلہ میں " لعلّکم ترحمون " ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کسی کے قرآن پڑھتے وقت دوسرے شخص کو (پاس) شور نہیں مچانا چاہئے' بلکہ چپ ہو جانا چاہئے!

اور چپ ہو کر سننے کا مطلب خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے:

" و اذکر ربّک فی نفسک تضرّعا و خیفۃً و دون الجھر من القول "۔

"کہ آہستہ پڑھو' اونچی آواز سے نہ پڑھو"۔

آیت کے الفاظ " دون الجھر من القول " پر اگر تقلید کی پٹی آنکھ سے اتار کر اور تقلید کا پٹہ گلے سے نکال کر نظر کی جائے تو مسئلہ صاف ہے۔

اور یہ معنے جو مذکور ہو چکے ہیں' یعنی انصات' آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں ہے' یہ کتبِ فقہ سے بھی ثابت ہے۔

۱۔ کتبِ فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ جمعہ کے دن خطیب جب خطبہ پڑھے' تو اس وقت سب لوگوں کو

خطبہ سننا اور خاموش و چپ رہنا فرض ہے۔ اور ثبوت میں بھی یہی آیت " **و اذا قرئ القراٰن** " پیش کرتے ہیں۔

اور یہ بھی کتبِ فقہ میں ہے کہ خطیب جب آیت:

"**یٰایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما**"۔(الاحزاب:۵۶)

پڑھے تو اس وقت تمام سامعین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہئے۔

چنانچہ شرح وقایہ ص ۱۷۵ اور کفایہ ص ۶۴ میں ہے:

"**فیصلی السامع فی نفسہ ای یصلی بلسانہ خفیا**"۔

"یعنی سننے والا آہستہ درود پڑھ لے"۔

اسی طرح رمز الحقائق ص ۴۵ شرح کنز الدقائق میں علامہ عینی نے اور فتح القدیر ص ۲۶۵ ج ا میں لکھا ہے۔ نیز صاحب النہایہ (ص ۱۴۷) نے کہا ہے کہ سننے والا جمعہ کے دن آہستہ درود و سلام بھیجے تو دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے گا۔ پس یہاں فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بھی یہی جواب لینا چاہئے کہ امام کے پیچھے آہستہ پڑھ لینے سے آیت اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے گا اور کسی کی مخالفت لازم نہ آئے گی۔

۲۔ اور یہ مسئلہ بھی کتبِ فقہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ صبح کی حالت میں امام کی قرأت کے وقت صفوں کے پیچھے سنتیں پڑھنی (باوجود ممانعتِ شرعیہ کے) عند الحنفیہ جائز ہیں۔

(دیکھئے درالمختار ص ۴۱۸ و نووی ص ۲۴۷)

پس جب عند الحنفیہ، نمازِ فجر میں امام کی قرأت کے وقت، صف کے پیچھے سنتیں پڑھنی (باوجود ممانعتِ شرعیہ کے) جائز ہیں اور یہ آیت "**و اذا قرئ القراٰن**" سے ممنوع و حرام نہیں، تو انصافا" کہئے کہ اس آیت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا کیوں ناجائز اور ممنوع ہو گیا؟ اسی طرح امام کی قرأت کے وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز کو شروع کیا جاتا ہے اور " **و اذا قرئ القراٰن** " کوئی بھی نہیں پیش کرتا۔ نیز عند الحنفیہ قرأت کے وقت دعائے استفتاح " **سبحانک اللّٰھم** " پڑھنا منع نہیں ہے۔ (دیکھئے غنیتہ المصلی شرح منیتہ المصلی) پھر سورۃ فاتحہ پڑھنی کیوں منع ہے؟

" **ما ھو جوابکم فھو جوابنا** "۔

"جو تمہارا جواب، وہی ہمارا جواب ہے"۔

افسوس! کہ جو امور تطوع یعنی نفلی ہیں، وہ حنفیہ کے نزدیک آیت ہٰذا سے ساقط نہیں ہوتے۔

اور قرأۃ فاتحہ جو کہ فرض ہے' وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ آہ:۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ایسی عقل و دانش کو رونا ہی چاہئے اور کیا کیا جائے؟

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جزء القرأۃ" میں یہ الزامی جوابات دے کر لاجواب کیا ہے کہ مدارس و مکاتیب میں استاد ایک بچہ کو سبق دے رہا ہے اور باقی بچے بھی برابر قرأت کر رہے ہیں۔ ایک کی قرأت کے وقت دوسروں کے لئے آیت "**و اذا قرئ القراٰن**" کو مانع نہیں قرار دیا جاتا' بلکہ قصداً" آیت ہٰذا کا خلاف کیا جاتا ہے۔ اگر باقی طلباء سکوت کرتے ہیں تو استاد صاحب غصہ کرتے ہیں۔ جب کہ یہ آیت عام ہے' اس میں نماز وغیرہ کی قید نہیں' اس کے شروع میں لفظ "اذا" واقع ہے جو کہ عمومِ اوقات پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ حنفی مذہب کی اصول کی کتاب نورالانوار میں ہے:

"**اذا و متٰی یدلان علٰی عموم الزّمان و لکلیتہ**"۔

"اذا اور متٰی زمانہ کی عمومیت اور کلیت پر دلالت کرتے ہیں"۔

تو کیوں ایک کی قرأت کے وقت دوسروں کو خاموش نہیں کیا جاتا؟ اگر وہ "**انصتوا**" کے حکم پر عمل کرتے ہیں تو ان کو زدو کوب کیا جاتا ہے۔ جب سب طلباء کو اپنی اپنی قرأت کرنے سے آیت ہٰذا کا مخالف نہیں سمجھا جاتا تو مقتدیوں کو امام کی قرأت کے وقت صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے سے اس آیت کا مخالف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ **ما ھو جوابکم فھو جوابنا!**

ایک شاندار اور قابلِ مشاہدہ بات

جب امام جہر سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے انہی الفاظ کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع اور انصات بھی پایا جائے گا اور قرأۃ فاتحہ پر بھی عمل ہو جائے گا اور خضوع و خشوع میں بھی فرق نہ آئے گا۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو مشاہدہ کرے' اگر ایک دن نماز کماحقہٗ ادا ہو جائے تو کیا حرج ہے؟

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سکتات ثابت ہیں:

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کے بعد

۲۔ قرأتِ فاتحہ کے بعد

۳۔ قرأت ختم ہونے کے بعد

ان سکتات کے علاوہ بھی ہر گول آیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف کرنا ثابت ہے‘ جیساکہ تفسیر اتقان ص ۳۶ میں ہے۔

پس مقتدی سکتاتِ مذکورہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ لینے سے آیت ” **و اذا قرئ القرٰان** “ کا موردو مخالف نہیں ہو گا۔

نیز تفسیر کبیر میں ہے کہ:

”موافقت کی ہے امام ابو حنیفہؒ نے اس بات میں کہ امام کے پیچھے الحمد (فاتحہ) پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے“۔

سبحان اللہ! کیا ایمان ہے۔ کیا اسلام ہے اور کیا انصاف ہے کہ صحابہ کرامؓ کا استدلال کرنا نصِ قرآنی سے بسبب مخالف ہونے امام ابو حنیفہؒ کے نہ مانا جائے‘ اور حنفیہ کا استدلال کرنا آیت ” **و اذا قرئ القرٰان** “ سے کہ مقتدی امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے‘ مانا جائے۔ کہ صدہا حدیثوں کے خلاف ہو‘ بلکہ خود امام ابو حنیفہؒ کے فرمانے کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ آیت: ” **و اذا قرئ القرٰان** “ کے تحت صاف کھلے لفظوں میں لکھا ہے:

” **انّ الاٰیۃ نزلت فی ترک الجھر با لقرأۃ وراء الامام الٰی ان قال ھو قول ابی حنیفۃ و اصحابہ انتھٰی ما فی تفسیر الکبیر۔** “(ص ۳۵۰)

یعنی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ آیت مقتدیوں کے امام کے پیچھے اونچا پڑھنے کے ترک میں اتری ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ عدمِ فرضیتِ فاتحہ پر حنفیہ کا اس آیت کو استدلالاً پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام محدثین و مفسرین میں سے کسی ایک نے بھی آیت کا شانِ نزول یہ نہیں بتایا ہے‘ بلکہ اور کئی مختلف شانِ نزول بیان کئے ہیں‘ جو بوجہ طوالت چھوڑے جاتے ہیں۔ اور جو شخص یہ کہے کہ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں یہ آیت اتری ہے‘ تو وہ اپنے دعوٰی کا ثبوت پیش کرے:

من ادعٰی فعلیہ البیان!

○ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں‘ ورنہ تعمیل ممکن نہ ہوگی.... شکریہ!

(منیجر)